

# عزت

## مفتی منیب الرحمن

عزت کے معنی ہیں: ”طاقت اور غلبہ“، اسی سے اللہ تعالیٰ کا اسم صفت ہے: ”الْمُعِزُّ“، یعنی عزت دینے والا۔ حدیث پاک میں ہے: ”(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ) کبریائی میری ردا ہے اور عظمت میری ازار ہے، سو جو کوئی ان صفات میں میرے مقابل آئے گا، میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا، (سنن ابن ماجہ 4174)۔“ محدثین نے فرمایا: یہاں رداء اور ازار سے اللہ تعالیٰ کی صفات مراد ہیں، جو اُس کا خاصہ ہیں اور اگر بندہ ان صفات میں اُس کے مقابل آئے، تو اُسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ حدیث پاک میں ہے: ”اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت، جلال، کبریائی اور عظمت کی قسم فرمائی ہے، (صحیح البخاری 7510)۔“ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کو ”رب العزت“ بھی فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (منافقین) کہتے ہیں: ”اگر ہم مدینہ لوٹ آئے تو ضرور عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا، جبکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے، اُس کے رسول کے لیے اور اہل ایمان کے لیے ہے، لیکن منافق نہیں جانتے، (المنافقون: 8)۔“ منافقین کو اپنی قوت و طاقت پر ناز تھا، اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ دائمی عزت اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کے لیے ہے، اہل باطل اپنے عارضی غلبے کو دائمی عزت نہ سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (1) ”اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی تھی، حالانکہ تم کمزور تھے، (آل عمران: 123)۔“ (2) ”جو شخص عزت چاہتا ہے، تو عزت سب اللہ کے لیے ہے، پاکیزہ کلمات اُسی کی طرف بلند ہوتے ہیں اور وہ نیک عمل کی قبولیت کا ذریعہ بنتے ہیں، (فاطر: 10)۔“

آج کل عدالت اور منصب عدالت پر فائز معزز شخصیات یعنی عالی مرتبت جج صاحبان کی حرمت و ناموس کا موضوع زیر بحث ہے اور متعدد افراد کے خلاف توہین عدالت کے مقدمات زیرِ سماعت ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غیور اور باحیث اقوام کے نزدیک اعلیٰ عدالتی، قومی اور ملتی مناصب باعثِ تکریم ہوتے ہیں، منصب اور صاحب منصب کی عزت ایک طرح سے لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ ہمارے نظام آئین و قانون میں منصب عدالت کی حرمت کا تحفظ کیا گیا ہے، لیکن صدر مملکت اور وزیر اعظم سمیت کسی اور منصب کو ایسی تکریم نہیں عطا کی گئی کہ خود صاحب منصب اپنی توہین کرنے والے کو کوئی سزا دے سکے۔ توہین عدالت میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ عدالت خود مدعی بھی ہے اور منصف بھی اور اس میں عدالت کے فیصلے پر دادرسی کا کوئی فورم بھی نہیں ہے۔ اس لیے ہماری نظر میں اس عدالتی اختیار کا استعمال بہت کم ہونا چاہیے۔ حقیقی تکریم اور عزت دل سے ہوتی ہے اور جس شخصیت کی



عزت کے نقوش لوحِ قلب پر ثبت ہو جائیں، وہ کبھی مٹتے نہیں ہیں۔ جو عزت منصب کی مرہونِ منت ہو، منصب سے فراغت کے بعد وہ باقی نہیں رہتی۔ پس بعض شخصیات کو منصب سے عزت ملتی ہے اور بعض شخصیات ایسی عظیم المرتبت ہوتی ہیں کہ ان سے منصب کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایک وقت تھا کہ جسٹس (ر) افتخار محمد چوہدری کی عدالتی ہیبت سے پورا نظام لرزاں رہتا تھا اور ریاست و حکومت کا ہر منصب دار شاید سرِ شام اور علی الصبح یہ دعا کرتا ہو کہ اللہ کرے عدالت سے واسطہ نہ پڑے، مگر آج کا حال سب کے سامنے ہے۔

ہم سب خطا و نسیان کے پتکے ہیں، بشری کمزوریاں بھی ہیں، لیکن منصبِ عدالت بھی مملکت کی ملازمت ہے، اگرچہ اُس کی حرمت دیگر اداروں سے یقیناً ممتاز ہے، کیونکہ یہی وہ منصب ہے جو اداروں اور اصحابِ مناصب کو اُن کی حدود میں رکھتا ہے اور آئین و قانون کا پابند بناتا ہے۔ لیکن بصداد عرض ہے کہ کرپٹ عناصر سے قطع نظر ملازمت سرکاری ہو یا نجی، انسان کی معاشی ضرورت ہے، لہذا اعلیٰ سرکاری ملازمین کے اقدامات، فیصلوں اور طرزِ عمل کو تنقید کا نشانہ بنانا تو درست ہے، لیکن شخصی توہین یا تحقیر کا تاثر پیدا نہیں ہونا چاہیے، ہر چھوٹے بڑے شخص کی عزت نفس کا پاس رکھنا چاہیے۔

صرف رسالت ہی ایسا منصب ہے کہ جس کے فیصلے کو قانوناً ہی نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے حق اور مبنی بر انصاف ماننا ایمان کا تقاضا ہے، ورنہ ایمان سے محرومی یقینی ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو ناپسند کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اُس کی بابت شرعی ضابطہ بیان فرمایا: ”(اے رسولِ مکرم!) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس کے تنازعات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے کے خلاف اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اُس کو دل و جان سے تسلیم کر لیں، (النساء: 65)۔“ یہ منصب کسی اور کو سزاوار نہیں ہے، اس لیے جدید دور میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ عدالت کا فیصلہ نافذ ہوگا، عدالت اور عادل کی توہین بھی نہیں کی جاسکے گی، لیکن فیصلے پر تنقید کی جاسکتی ہے، قبول کرنے کے باوجود فیصلے کو ناپسند کیا جاسکتا ہے اور ہماری ماضی کی تاریخ کے ایسے کئی فیصلے آج بھی ضرب المثل ہیں۔ سو توہینِ عدالت کا نوٹس لینا اور اس کے لیے حدود و قیود طے کرنا بلاشبہ عدالت کا دائرہ اختیار ہے اور اسے چیلنج نہیں کیا جاسکتا، لیکن نہایت ادب کے ساتھ گزارش ہے کہ اس طرح کے نوٹس بکثرت نہ لیے جائیں، کیونکہ ہر عالی مرتبت کو ایک نہ ایک دن منصب سے سبکدوش ہونا ہوتا ہے، پس حقیقی عزت وہی ہے جو منصب سے اترنے کے بعد بھی قائم رہے اور صاحبِ منصب کا ذکر ہمیشہ تعظیم و تکریم کے ساتھ کیا جائے۔ اسی طرح دھمکی کے انداز میں بات کرنا بھی عدالت کے شایانِ شان نہیں ہے، اُن کے فیصلے خود بولتے ہیں اور فیصلوں کی زبان ہمیشہ ناطق رہتی ہے۔ فیصلوں میں بھی یہ تاثر نہیں پیدا ہونا چاہیے کہ منصف کے دل میں کسی کے لیے ذاتی عناد ہے، اہانت پر مبنی کلمات کے بجائے نپلی تلی زبان ہونی چاہیے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی جنگ میں ایک یہودی کے مقابل میدان میں اترے، وہ شخص فتنِ حرب کا ماہر تھا، مقابلے کے بعد آپ نے اُسے پچھاڑ دیا اور اُس کے سینے پر چڑھ کر اس کی گردن کاٹنے کا ارادہ کیا۔ اسی اثناء میں اُس نے آپ کے چہرہ



مبارک پر تھوک دیا، آپ اُس کے سینے سے اتر آئے اور اُسے چھوڑ دیا۔ وہ شخص سخت حیران ہوا کہ میں نے تو ان کی توہین کی، یہ مجھ پر قابو بھی پا چکے تھے، اگر چاہتے تو مجھے قتل کر دیتے، لیکن انہوں نے مجھے چھوڑ دیا، سو اُس نے آپ سے اس کا سبب پوچھا۔ حضرت علی نے فرمایا: میں تم سے رضائے الہی کے لیے لڑ رہا تھا، مگر جب تم نے میرے منہ پر تھوک دیا تو مجھے غصہ آ گیا اور میں نے سوچا کہ اگر اب میں تمہیں قتل کرتا ہوں، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا محرک میری انا اور نفسانیت قرار پائے اور میں اجر سے محروم ہو جاؤں، اس لیے میں تمہارے سینے سے اتر آیا، کیونکہ مومن کا جہاد اپنی انا کی تسکین کے لیے نہیں، بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے، حضرت علی کے اس کمال اخلاص کو دیکھ کر اُس شخص نے اسلام قبول کر لیا، (مرقاۃ المفاتیح، ج: 7، ص: 10)۔

پس اگر کسی منصف کے بارے میں کسی مدعی یا مدعی علیہ کے خلاف ذاتی نفرت کا تاثر پیدا ہو جائے، تو آج کل کا عدالتی شعار یہ ہے کہ جج کو اُس مقدمے سے الگ ہو جانا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے تو مدعی کے حق میں عدالت سے فیصلہ آنے کے باوجود اُسے بھی خدا خوفی کی تعلیم دی ہے، کیونکہ قاضی سے بھی فیصلے میں غلطی ہو سکتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم میرے پاس اپنے مقدمات لے کر آتے ہو، ہو سکتا ہے تم میں سے کوئی فریق اپنی دلیل کو زیادہ مہارت سے پیش کرنے والا ہو اور میں (دلائل سن کر) اُس کے بھائی کے حق میں سے کوئی چیز اُسے دے دوں، تو (وہ یہ جان لے کہ) میں اُسے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں، پس وہ اسے (ہرگز) نہ لے، (بخاری 2680)۔“ نبی کریم ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ حقائق اشیاء اور لوگوں کی قلبی کیفیات پر بھی مطلع فرما دیتا تھا، لیکن عام مصنفین کو یہ مقام حاصل نہیں ہے، اس لیے آپ ﷺ نے حد درجے احتیاط کی تعلیم فرمائی ہے اور یہ احتیاط نہ صرف قاضی کے لیے ہے، بلکہ مدعی اور مدعی علیہ کے لیے بھی ہے۔ اس حدیث سے متعلق کچھ فقہی اسباحث بھی ہیں، لیکن وہ یہاں ہمارا موضوع نہیں ہیں۔

پس اللہ کی سنت یہی ہے کہ حقیقی معنی میں عدل قائم ہو اور شفاف عدل ہوتا ہوا نظر بھی آئے۔ حدیث پاک میں ہے: عبد الرحمن بن ابی بکرہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے جستان کے قاضی عبید اللہ بن ابی بکرہ کو یہ ہدایت نامہ لکھوایا: ”(کبھی بھی) غصے کی حالت میں دو اشخاص کے درمیان فیصلہ نہ کرنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ”تم میں سے کوئی بھی شخص غصے کی حالت میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے، (صحیح مسلم 1717)۔“ نیز عالی مرتبت شخصیات کو تہمت کے مواقع سے بھی بچنا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: ”جو بدگمانیوں کی راہوں پر چلے گا، وہ تہمت کا ہدف بنے گا“ اور مکارم اخلاق میں خرائطی نے ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے: ”جو مقام تہمت پر ٹھہرا، تو پھر اُسے چاہیے کہ بدگمانی کرنے والوں کو ملامت نہ کرے (کیونکہ اُس نے خود یہ موقع فراہم کیا)، (کشف الخفا و مزیل الالباس، الجزء الاول، ص: 44)۔“ نوٹ: الحمد للہ علی احسانہ! روزنامہ دنیا میں شائع ہونے والے میرے جون 2016ء تا اپریل 2017ء کے کالموں پر مشتمل چوتھا مجموعہ ”آئینہ ایام (جلد چہارم)“ شائع ہو چکا ہے، یہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور/کراچی سے دستیاب ہے۔

(روزنامہ دنیا، 10 فروری 2018ء)